دردسمندر

(غزلیں،نظمیں،ماہیے)

حیدرقریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

Dard Sumandar

Poetry By: ***Haider Qureshi***

نام کتاب: **دردسمندر** (غزلیں،نظمیں،ماہیے)
شاعر: حیدرقریشی
اشاعت اول: ۲۰۰۵ء
تعداد: ۵۰۰
مطبع:
قیمت: ۱۰۰روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن
جنوری ۲۰۱۴ء

تم نے وہ منظر ہی کب دیکھے ہیں، جب
درد سمندر، دل دریا میں گرتے ہیں

انتساب

ماموں صادق کے نام

آنکھوں میں ابھی دھول سی لمحوں کی جمی ہے
دل میں کوئی سیلاب سا رونے کے لئے ہے

اس درد خزانے کے
چل دو نفل ہی پڑھ
رب کے شکرانے کے

ترتیب

دردسمندر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حیدرقریشی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۷

غزلیں

۱۔ عروج کیا ہے، زوال کیا ہے ۹

۲۔ خود اپنے واسطے آزارِ جاں ہونے لگا ہوں ۱۱

۳۔ وصل کی شب تھی اور اُجالے کر رکھے تھے ۱۳

۴۔ موسم کی بے مہر فضا میں گرتے ہیں ۱۵

۵۔ طے ہو گیا اک وصل سفر اور مکمل ۱۷

۶۔ اب کے اُس نے کمال کر ڈالا ۱۹

۷۔ جو بس میں ہے وہ کر جانا ضروری ہو گیا ہے ۲۱

۸۔ جو میرے لکھے سے استفادہ بھی کر رہا ہے ۲۳

۹۔ وہ جو ابھی تک خاک میں رُلنے والے ہیں ۲۴

۱۰۔ اُس دربار میں لازم تھا اپنے سر کو خم کرتے ۲۵

۱۱۔ اک خواب کہ جو آنکھ بھگونے کے لئے ہے ۲۷

نظمیں

۱۔ چلو اک نظم لکھتے ہیں ۲۹

۲۔ محبت کا ایک یادگار دن ۳۲

۳۔ مبارک باد اور پُرسہ ۳۴

ماہیے

۱۔ بچپن، لڑکپن ۳۶

۲۔ یادوں کے رنگ ۴۳

۳۔ چن ماہی ۴۶

۴۔ دردسمندر ۵۱

۵۔ جرمنی ۵۶

۶۔ خانۂ خدا ۶۱

۷۔ نمازِ عشق ۶۴

۸۔ تسلسل ۶۷

☆ دوہا نُما ۷۲

تاثرات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۷۴

ڈاکٹر شفیق احمد، اکبر حمیدی، ڈاکٹر لڈمیلا وسیلئیو یا، ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، نصرت ظہیر، ایوب خاور، منزہ یاسمین، ڈاکٹر محبوب راہی، ڈاکٹر نجمہ رحمانی،

درد سمندر

سلگتے خواب،عمرِ گریزاں،محبت کے پھول اوردعائے دل،میرے پہلے چار مجموعوں کی اشاعت کے بعدان چاروں مجموعوں کو۱۹۹۸ء میں ایک جلد میں ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔اس کے بعد جوشاعری ہوئی،اسے ’’درد سمندر‘‘ کے نام سے ایک مختصر مجموعہ کی صورت میں ترتیب دے لیا۔لیکن اسی دوران ’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘ کے نئے ایڈیشن کی اشاعت کا پروگرام بنا تو میں نے ’’درد سمندر‘‘ کو الگ سے شائع کرانے کی بجائے ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ میں پانچویں مجموعہ کے طور پرشامل کرنا بہتر سمجھا۔گویا ’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘ میں پہلے میرے چار مجموعے شامل تھے تو نئے ایڈیشن میں پانچ مجموعے شامل ہوجانا تھے۔اسے ۲۰۰۲ء۔۲۰۰۱ء تک برادرم نذر خلیق نے شائع کرانا تھا۔انہوں نے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا تھا اوراسی کے زیرِ اہتمام یہ کتاب چھپنے جارہی تھی لیکن پھر بعض وجوہات کی بنا پر ڈاکٹر نذر خلیق اپنے اشاعتی ادارہ کو قائم نہ رکھ سکے اور یہ منصوبہ معلق ہوگیا۔

۲۰۰۵ء میں دہلی سے شاہد ماہلی صاحب نے ’’عمرِ لاحاصل کا حاصل‘‘ کا پہلا اور عوامی ایڈیشن شائع کیا۔اس میں میری نثر کی چھ کتابوں کے ساتھ شاعری کی پانچ کتابیں بھی شامل تھیں۔گویا سال ۲۰۰۱ء میں ترتیب دیا ہوا شعری مجموعہ ’درد سمندر‘ قدرے تاخیر سے سامنے آیا،اور پاکستان سے ڈاکٹر نذر خلیق صاحب کے ادارہ کی جانب سے ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ میں چھپنے کی بجائے دہلی سے معیار پبلی کیشنز کی جانب سے ’’عمرِ لاحاصل کا حاصل‘‘ میں شامل ہوا۔اس کے بعد ’عمرِ لاحاصل کا حاصل‘ کے لائبریری ایڈیشن (۲۰۰۹ء) میں اور انٹرنیٹ ایڈیشن (۲۰۱۲ء) میں بھی ’’درد سمندر‘‘ شامل رہا۔اب جو میں انٹرنیٹ پر اپنے الگ الگ شعری مجموعوں کی ای بکس لا رہا ہوں تو ’درد سمندر‘ بھی الگ سے پیش کر رہا ہوں۔یہاں ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ کے اُس ایڈیشن کا پیش لفظ ’’مزید عرضِ حال‘‘ بھی درج کر رہا ہوں جو تب بوجوہ شائع نہ ہوسکا تھا۔تاہم اس میں

جو باتیں لکھی گئی تھیں،اب بھی اپنے قارئین کو ان میں شریک کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔سو اب نیچے ۲۰۰۱ء کا لکھا ہوا پیش لفظ پیش کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ اپنی بات مکمل کرتا ہوں۔

مزید عرضِ حال

(غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ کے نہ چھپ سکنے والے دوسرے ایڈیشن کے لیے ۲۰۰۱ء کا تحریر کردہ)

’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا تھا۔اس میں ۱۹۹۶ء تک شائع ہونے والے میرے چار شعری مجموعے یکجا کئے گئے تھے۔اس کے بعد یعنی ۱۹۹۷ء کے بعد سے اب تک جو مزید غزلیں،نظمیں اور ماہیے کہہ چکا ہوں۔ان کو ’’درد سمندر‘‘ کے نام سے ترتیب دے دیا ہے۔پہلے ارادہ تھا کہ یہ مختصر سا مجموعہ الگ سے شائع کرالوں۔اسی دوران ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت ہونے لگی تو میں نے مناسب سمجھا کہ ایک مختصر سا مجموعہ الگ سے چھپوانے کے بجائے اس مجموعہ کو بھی اس ایڈیشن میں شامل کرلوں۔سو اب یہ کتاب ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ اپنے دوسرے ایڈیشن میں میرے چار شعری مجموعوں کے بجائے پانچ شعری مجموعوں کا مجموعہ بن گیا ہے۔’’درد سمندر‘‘ میں چند تخلیقات اکیسویں صدی کی عطا ہیں تاہم زیادہ تر تخلیقات ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۰ء کے دورانیے میں ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ میں شامل پانچوں مجموعوں کی بیشتر شاعری بیسویں صدی میں کہی ہوئی شاعری ہے۔سو بیسویں صدی کی اپنی یہ شعری تخلیقات میں اکیسویں صدی کی نذر کرتا ہوں۔

اکیسویں صدی کی ابتدا انسانیت کے لئے کچھ اچھی ثابت نہیں ہو رہی۔نفرتوں کی نئی صورتیں نشو ونما پارہی ہیں اور ان کے خاتمے کا کوئی امکان دکھائی نہیں دے رہا۔نفرت اور دہشت کی مسموم فضا میں شروع ہونے والی اکیسویں صدی کے لئے میں ایک بے مایہ سا شاعر محبت کے تحفہ کے طور پر اپنی اب تک کی کل شاعری پیش کررہا ہوں۔مجھے احساس ہے کہ اکیسویں صدی کی بارگاہ میں شاید یہ حقیر تحفہ قبول نہ ہو۔پھر بھی ایک فقیر کی گدڑی میں جو کچھ موجود ہے،پیش ہے۔

حیدر قریشی
Rossertstr.6,Okriftel,
65795Hattersheim,Germany

عروج کیا ہے، زوال کیا ہے
خوشی ہے کیا اور ملال کیا ہے

یہ گردشِ ماہ و سال کیا ہے
زمانے! تیری یہ چال کیا ہے

بھلے ہو وقتی اُبال چاہت
مگر یہ وقتی اُبال کیا ہے

ہوس تو بے شک ہوس ہی ٹھہری
پہ جستجوئے وصال کیا ہے

ہے دل کوئی بے کنار صحرا
کہ آرزوؤں کا جال، کیا ہے

حقیقتیں تو فریب نکلیں
جہانِ خواب و خیال کیا ہے

سوال جو اتنے کر رہے ہو
تمہارا اصلی سوال کیا ہے

ہر ایک رنجش بھلا چکے ہو
تو دل کے شیشے میں بال کیا ہے

خدا ہے مشکل کُشا تو حیدرؔ
کوئی بھی کارِ محال کیا ہے

☆☆☆

خود اپنے واسطے آزارِ جاں ہونے لگا ہوں
کسی نامہرباں پر مہرباں ہونے لگا ہوں

غزل کے روپ میں جو قصہ خواں ہونے لگا ہوں
تو یوں لگتا ہے تیری داستاں ہونے لگا ہوں

کچھ عرصہ خوش گمانی بھی رہی ہے اس سے بے شک
مگر اس شوخ سے اب بدگماں ہونے لگا ہوں

مجھے معلوم ہے سلطان جابر کیا کرے گا
مگر میں کلمۂ حق ہوں ، بیاں ہونے لگا ہوں

کسی کی ناروا پابندیوں کو توڑ کر اب
دلوں میں گونجنے والی اذاں ہونے لگا ہوں

گھٹن کب دیر تک رستہ ہوا کا روک پائی
اسے کہہ دو کہ میں پھر سے رواں ہونے لگا ہوں

مجھے دھرتی پہ ہی رہنا تھا ہر حالت میں حیدرؔ
مگر یہ کیا ہوا کہ آسماں ہونے لگا ہوں

☆☆☆

وصل کی شب تھی اور اُجالے کر رکھے تھے
جسم وجاں سب اُس کے حوالے کر رکھے تھے

جیسے یہ پہلا اور آخری میل ہوا ہو
حال تو دونوں نے بے حالے کر رکھے تھے

کھوج رہے تھے رُوح کو جسموں کے رستے سے
طور طریقے پاگلوں والے کر رکھے تھے

ہم سے نادانوں نے عشق کی برکت ہی سے
کیسے کیسے کام نرالے کر رکھے تھے

وہ بھی تھا کچھ ہلکے ہلکے سے میک اپ میں
بال اپنے ہم نے بھی کالے کر رکھے تھے

اپنے آپ ہی آیا تھا پھر مرہم بن کر
جس نے ہمارے دل میں چھالے کر رکھے تھے

حیدرؔ اپنی تاثیریں لے آئے آخر
ہجر میں ہم نے جتنے نالے کر رکھے تھے

☆☆☆

موسم کی بے مہر فضا میں گرتے ہیں
سوکھے پتے سرد ہوا میں گرتے ہیں

رہتی ہے پرواز کی خوش فہمی اُن کو
جو اپنے اندر کے خلا میں گرتے ہیں

گرتے ہیں تو گرتے ہی جاتے ہیں پھر
اہلِ ستم جب مکروریا میں گرتے ہیں

گیت سناتے ہیں جھرنے کے گرنے کا
حرف جو خاموشی کی صدا میں گرتے ہیں

تم نے وہ منظر ہی کب دیکھے ہیں، جب
درد سمندر، دل دریا میں گرتے ہیں

یا آنکھوں میں خاک برستی تھی حیدرؔ
یا اب پیہم اَشک دُعا میں گرتے ہیں

☆☆☆

طے ہو گیا اک وصل سفر اور مکمل
یہ چوٹی بھی اب ہو گئی سَر اور مکمل

خِیرہ ہوئی تھیں آنکھیں، خزانے کی دَمک سے
جب کھل گئے اُس حُسن کے دَر اور مکمل

آسیب بنے بیٹھے تھے مدت سے جو دل میں
خود اُس نے نکالے وہی ڈر اور مکمل

تردیدِ شبِ ہجر میں روشن سی کوئی شب
پھیلی رہی تا حدّ سَحر اور مکمل

اب تجھ سے بھی ملنا نہ میسر رہا اے دل
تجھ میں تو وہی کر گیا گھر اور مکمل

جتنے بھی تری ذات سے وابستہ ہیں پیارے
الزام لگا دے مِرے سَر اور مکمل

ہو جائے نہ مغرور کہیں اور وہ حیدؔر
اب اُس سے کرو صَرفِ نظر اور مکمل

☆☆☆

اب کے اُس نے کمال کر ڈالا
اک خوشی سے نڈھال کر ڈالا

چاند بن کر چمکنے والے نے
مجھ کو سورج مثال کر ڈالا

پہلے غم سے نہال کرتا تھا
اب خوشی سے نہال کر ڈالا

اک حقیقت کے رُوپ میں آ کر
مجھ کو خواب و خیال کر ڈالا

دُکھ بھرے دل سے دُکھ ہی چھین لئے
اور جِینا وبال کر ڈالا

ایک خوشخط سے شخص نے حیدرؔ
ہم کو بھی خوش خیال کر ڈالا

☆☆☆

جو بَس میں ہے وہ کر جانا ضروری ہو گیا ہے
تری چاہت میں مَر جانا ضروری ہو گیا ہے

ہمیں تو اب کسی اگلی محبت کے سفر پر
نہیں جانا تھا' پر جانا ضروری ہو گیا ہے

ستارا جب مِرا گردش سے باہر آ رہا ہے
تو پھر دل کا ٹھہر جانا ضروری ہو گیا ہے

درختوں پر پرندے لَوٹ آنا چاہتے ہیں
خزاں رُت کا گزر جانا ضروری ہو گیا ہے

اندھیرا اِس قدر گہرا گیا ہے دل کے اندر
کوئی سورج اُبھر جانا ضروری ہو گیا ہے

بہت مشکل ہوا اندر کے ریزوں کو چھپانا
سو اب اپنا بکھر جانا ضروری ہو گیا ہے

تجھے میں اپنے ہر دُکھ سے بچانا چاہتا ہوں
ترے دل سے اُتر جانا ضروری ہو گیا ہے

نئے زخموں کا حق بنتا ہے اب اِس دل پہ حیدرؔ
پُرانے زخم بھر جانا ضروری ہو گیا ہے

☆☆☆

جو میرے لکھے سے استفادہ بھی کر رہا ہے
خلاف باتیں وہی زیادہ بھی کر رہا ہے

کبھی نہ ہو تنگ حوصلہ اُس کا میرے مالک
جو زخم دے کر اسے کشادہ بھی کر رہا ہے

کبھی نہ ملنے کے فیصلے پر بھی ہے وہ قائم
دوبارہ ملنے کا کچھ ارادہ بھی کر رہا ہے

وہ جانتا ہے یقین مجھ کو نہیں ہے بالکل
تبھی تو اتنے یقیں سے وعدہ بھی کر رہا ہے

ضرور اس میں بھی پیچ حیدؔر کہیں پہ ہوگا
وہ ظاہراً چاہے بات سادہ بھی کر رہا ہے

☆☆☆

وہ جو ابھی تک خاک میں رُلنے والے ہیں
سُچے موتیوں میں اب تلنے والے ہیں

اپنی ذات کے دروازے تک آ پہنچے
بھید ہمارے ہم پر کھلنے والے ہیں

دودھ بدن ہے وہ تو مصری کوزہ ہم
سو اب اُس کے عشق میں گھلنے والے ہیں

واقفیت ہے اِن سے اپنی برسوں کی
دُکھ تو ہمارے ملنے جلنے والے ہیں

آنکھیں اس کی بھی ہیں اب برسات بھری
حیدؔر مَیل دِلوں کے دُھلنے والے ہیں

☆☆☆

اس دربار میں لازم تھا اپنے سر کو خم کرتے
ورنہ کم از کم اپنی آواز ہی مدھم کرتے

اس کی انا تسکین نہیں پاتی خالی لفظوں سے
شاید کچھ ہو جاتا اثر، تم گریۂ پیہم کرتے

سیکھ لیا ہے آخر ہم نے عشق میں خوش خوش رہنا
درد کو اپنی دوا بناتے، زخم کو مرہم کرتے

کام ہمارے حصے کے سب کر گیا قیس دوانہ
کونسا ایسا کام تھا باقی جس کو اب ہم کرتے

ہر جانے والے کو دیکھ کے رکھ لیا دل پر پتھر
کس کس کو روتے آخر، کس کس کا ماتم کرتے

دل تو ہمارا جیسے پتھر سے بھی سخت ہوا تھا
پتھر پانی ہو گیا، سوکھی آنکھوں کو نم کرتے

بن جاتا تریاق اسی کا زہر اگر تم حیدرؔ
کوئی آیت پیار کی پڑھتے اور اس پر دَم کرتے

☆☆☆

اک خواب کہ جو آنکھ بھگونے کے لئے ہے
اک یاد کہ سینے میں چبھونے کے لئے ہے

اک زخم کہ سب زخم بھلا ڈالے ہیں جس نے
اک غم کہ جو، تا عمر بلونے کے لئے ہے

اک روح کہ سونا ہے مگر مَیل بھری بھی
اک آگ اسی مَیل کو دھونے کے لئے ہے

آنکھوں میں ابھی دھول سی لمحوں کی جمی ہے
دل میں کوئی سیلاب سا رونے کے لئے ہے

دل کو تو بہت پہلے سے دھڑکا سا لگا تھا
پانا ترا شاید تجھے کھونے کے لئے ہے

کشتی کا یہ ہچکولہ، یہ ملاّح کا چکّر
کشتی کو نہیں، مجھ کو ڈبونے کے لئے ہے

تقدیر سے لڑ سکتا ہے کوئی کہاں حیدؔر
وہ حادثہ ہونا ہے جو ہونے کے لئے ہے

☆☆☆

چلو اک نظم لکھتے ہیں

وہی موسم، وہی رستے،
وہی شام وسحر، یکسانیت، بے کیف سے لمحے
گنہ کی رغبتیں، اشکِ ندامت
نیکیوں کی لذتیں
اسرار جتنے ہو چکے ہیں منکشف،
اپنا تحیر کھو چکے ہیں
اب مسرّت غم زدہ ہے
اور حیرت کی چمک بجھنے لگی ہے،
جستجو سونے لگی ہے

بدن سے روح تک کے کتنے ہی اسرار تھے
جو کھل چکے کب کے
کسی تپتے ہوئے صحرا کی گرمی پی گئے دریا
عجب سیرابیاں تھیں، پیاس کی لذت ہی کھو بیٹھے
نہ اب کوئی غزل یا ماھیا کہنے کی
اندر سے کوئی تحریک ہوتی ہے
نہ سردی اور گرمی میں کوئی تفریق ہوتی ہے
چلو ٹھہرے ہوئے ان موسموں میں
کوئی تبدیلی سی لاتے ہیں
تحیّر کی نئی دنیاؤں کی سوئی ہوئی سی
جستجو بیدار کرتے ہیں، مسّرت کو ہنساتے ہیں
چلو اس بلب کا سوئچ آف کر کے
موم بتی کو جلاتے ہیں
قلم کاغذ اٹھاتے ہیں
کئی برسوں کی اس یکسانیت کی گرد کو

سر سے جھٹکتے ہیں

ذرا رستہ بدلتے ہیں

چلو اک نظم لکھتے ہیں!

محبت کا ایک یادگار دن

تب زندگی مسرور تھی

آنکھوں میں صبحِ نُور تھی

اُس صبح سے دوپہر تک

بوسوں کی بہتی نہر تھی، اور زندگی کی لہر تھی

کیا زندگی کی لہر تھی جس سے جنم لیتی ہوئی

اک خوبصورت شام تھی

اس خوبصورت شام میں شمشیر بے نیام تھی

وہ شام جب ڈھلنے لگی

رنگوں بھری برسات تھی

خوابوں بھری کیا رات تھی، تعبیر جن کی ساتھ تھی

اور پھر اسی تعبیر میں، لے کر قلم تقدیر سے
سارے زمانوں سے بھرا وہ ایک دن
میرے ہی نام لکھ دیا
راہِ فنا میں عشق نے دل کو دوام لکھ دیا!

مبارکباد اور پُرسہ

(صلاح الدین پرویز کے لئے)

صلاح الدین!
میری اور تمہاری دکھ کہانی ایک جیسی ہے
تمہاری دکھ کہانی کے سبھی کردار
میری داستاں میں صرف اپنے نام کی
تبدیلیوں کے ساتھ آتے ہیں
وہی سفّاک اور بے رحم،
نفرت کے پجاری
زندگی میں زہر سا گھولے چلے جاتے ہیں۔۔۔
دھرتی کو بدل لوں،
سوچ کے انداز کو، ایمان کو اور
زندگی کے گیان کو بھی چھوڑ دوں
تب بھی یہ ظالم لوگ سُکھ کا سانس لینے ہی نہیں دیتے

خدا جانے یہ مجھ سے کس لئے خائف ہیں؟
کیوں مجھ کو ڈراتے ہیں؟

صلاح الدین!
ان سفّاک کرداروں کی سفّاکی سے
اتنا جان پایا ہوں
کہ میں جیسے منو کے دور کا شودر ہوں
اپنے ہر جنم، ہر دَور میں، ہر حملہ آور کا نشانہ ہوں

صلاح الدین،
میری اور تمہاری دکھ کہانی ایک جیسی ہے
تو پھر اس دکھ کا رونا کیوں تمہارے سامنے روؤں
چلو اس دکھ کہانی کے ملن کی اس خوشی میں
میری جانب سے مبارک باد اور پُرسہ!

ماہیے

بچپن، لڑکپن

☆

بچپن کے خزانے میں
کتنے زمانے تھے
اُس ایک زمانے میں

☆

اک یاد تھی بستی میں
کھوگئی جانے کہاں
اِس عمر کے رستے میں

☆

☆

جو چاہا بنا ڈالا

لکھا سلیٹوں پر

جب چاہا مٹا ڈالا

☆

دن تو وہی اچھے تھے

جب اسکول کے ہم

چھوٹے سے بچے تھے

☆

کوئی کچی پنسل تھا

پیار ہمارا بھی

سعیٔ لاحاصل تھا

☆

☆

تختی کو سُکھاتے تھے

خواب سہانے تھے

پَر دِل کو دُکھاتے تھے

☆

وہ سُر ، سنگیت گیا

قلم، دواتوں کا

اک دور تھا، بیت گیا

☆

ہر رسم اُٹھا دی ہے

''کوکلا'' کھیلے ہیں

بچپن کو صدا دی ہے

☆

☆

کچھ یادیں اُترتی ہیں
بکھری ٹھیکریاں
''پِٹھو'' کی سنورتی ہیں

☆

جیتا، کبھی ہارا تھا
''گلی، ڈنڈا'' بھی
اک کھیل ہمارا تھا

☆

''فٹ بال'' میں تیکھے تھے
اور ''کبڈی'' کے
کچھ داؤ بھی سیکھے تھے

☆

☆

''اشٹاپو'' کے خانوں میں
قید ہے دل اب تک
بچپن کے زمانوں میں

☆

چاہت کی گواہی کا
کھیل لڑکپن کا
تھا، ''چورسپاہی'' کا

☆

مستی سے بھری پیلی
الہڑ مٹیاریں
جب کھیل گئیں ''ککلی''

☆

☆

جب کھیلنے ''کھو'' بیٹھے

دیکھ کے اک ساتھی

ہم اس کے ہو بیٹھے

☆

تقدیر ہی پھوٹ گئی

''پِینگ'' چڑھالی جب

تو رَسی ٹوٹ گئی

☆

کب درسی کتابوں میں

گم ہو جاتے تھے

ہر شوخ کے خوابوں میں

☆

☆

زورِ طغیانی تھا

عمر اٹھارہ تھی

اور زعمِ جوانی تھا

☆

جب خامشی بولتی ہے

گِرہیں محبت کی

آنکھوں سے کھولتی ہے

☆

کالج کی فضاؤں میں

اڑتے پھرتے تھے

جب اپنی ہواؤں میں

☆☆☆

یادوں کے رنگ

☆

تھے اپنی ہی لہروں میں
عمر گذاری جو
پنجاب کے شہروں میں

☆

یادوں کے خزینے میں
خانپور اپنا تو
آباد ہے سینے میں

☆

اک رُوح تھی سیلانی
چھوڑ کے شہرِ دل
جو ہو گئی ملتانی

☆

☆

اک اپنا ہزارہ تھا
کتنے مناظر کا
خوش رنگ نظارہ تھا

☆

ستلج کے کنارے سے
مائن☆ تک پہنچے
قسمت کے سہارے سے

☆جرمنی کا دریائے مائن جو ہمارے گھر کے بالکل قریب ہے۔

☆

تھے دیس میں پردیسی
آ کے ولایت میں
اب ہو گئے ہیں دیسی

☆

☆

یہ بھید نہ کھل پائے

دل بھرآنے پر

کیوں آنکھ بھی بھرآئے

☆

رہ جاتی ہیں تعبیریں

خواب ہیں ہم شاید

اور اصل ہیں تصویریں

(جوگندرپال جی کے نام!)

☆☆☆

چن ماہی

☆

کچھ دل کو ملوک کرو

ویسے چن ماہی

جو چاہے سلوک کرو

☆

اب تیرے حوالے میں

ہیں تو بُرے لیکن

سچے دل والے ہیں

☆

الجھن سے چھڑاتے ہوئے

باندھ لیا دل کو

بال اُس نے بناتے ہوئے

☆

☆

پیار اور ہوا گُوڑا
بالوں کا اُس نے
جب کھول دیا جُوڑا

☆

یہ کیسا اُبال آیا
کس عمر میں آ کے
یہ کون سا سال آیا

☆

تصویر خیالوں کی
کجلا بھری آنکھیں
"تفسیر اجالوں کی"

☆

☆

وہ دودھ بھرا چھنّا
تم نے مگر اُس کو
دیکھا ہی نہیں چنّا!

☆

پھولوں کی چنگیری ہے
یا پونے گنّے
کی میٹھی گنڈیری ہے

☆

زُلفوں میں کلِپ ڈھولا
اَن سُنی کیوں کر دی
وہ بات جو دِل بولا

☆

☆

کہنے کو تو سایا ہے
جال سُنہری سا
زُلفوں کا بچھایا ہے

☆

رائن☆ سے چناب مِلا
کوئی حقیقت تھی
یا خواب سے خواب مِلا

☆دریائے رائن جرمنی کا مشہور دریا ہے۔

☆

دیوانہ بنا ڈالا
دل کو حسینوں نے
بُت خانہ بنا ڈالا

☆

☆

اک ذات کا جنگل ہے
جگ میں کوئی دن ہو
جنگل میں تو منگل ہے

☆

توبہ کی جو ٹھانی ہے
سوچ لو پھر یہ تو
توہینِ جوانی ہے

☆

لفظوں کے مداری ہیں
عشق کے جذبے سے
جو شاعر عاری ہیں

☆☆☆

درد سمندر

☆

دل کو شاداب کیا

تیری محبت کے

غم سے سیراب کیا

☆

پھولوں کو پرونے میں

سوئی تو چبھنی تھی

اس ہار کے ہونے میں

☆

کیسے اِترائے تھے

پہلے پہل دل پر

جب زخم سجائے تھے

☆

☆

ہم یونہی نہیں ٹوٹے

تیری طرح نکلے

وعدے بھی ترے جھوٹے

☆

کچھ بھی تو نہ پایا تھا

اُس کی محبت میں

بس دل کو جلایا تھا

☆

دن تیس مہینے میں

درد جدائی کا

بڑھتا رہا سینے میں

☆

☆

کوئی سال نہیں بدلا

باون ہفتوں کا

جنجال نہیں بدلا

☆

بَن باس نہیں جاتا

گہری جدائی کا

احساس نہیں جاتا

☆

آنکھوں میں نہیں آتی

پر تصویر تری

دل سے بھی نہیں جاتی

☆

☆

اب جینا وبال ہوا

اُن سے جدائی کا

یہ سولھواں سال ہوا

☆

مِری چاہت کھو گئی ہے

شاید سونے کی

لنکا میں سو گئی ہے

☆

یہ ڈھنگ ہمارا ہے

گدلا جیون رَس

آنکھوں سے نتھارا ہے

☆

☆

اس درد خزانے کے
چل دو نفل ہی پڑھ
رب کے شکرانے کے

☆☆☆

جرمنی

☆

مولا کی عنایت تھی
اپنے مقدر میں
جرمن کی ولایت تھی

☆

خوش قسمتی کا مارا
دل کھلّم کھلا
اور۔۔۔کثرتِ نظارا

☆

یورپ کا نگینہ ہے
اُبھرا ہوا دیکھو
اِس دھرتی کا سینہ ہے

☆

☆

خود کار نظام ملے

جرمنی میں آ کر

کتنے آرام ملے

☆

یہ دیس حسینوں کا

حال نہیں پوچھو

گرمی کے مہینوں کا

☆

رنگین نظاروں کا

پت جھڑ میں بھی یہاں

منظر ہے بہاروں کا

☆

☆

ٹھنڈک میں اُبلتے ہیں

برف پڑے جتنی

جسم اتنے مچلتے ہیں

☆

یا کچھ بھی نہ بتلانا

اور اگر کھلنا

کھلتے ہی چلے جانا

☆

پہنچا جو حسینوں میں

دل بھی ہوا شامل

خود کار مشینوں میں

☆

☆

ایسے دیوانے ہیں
پل بھر کے ساتھی
اور پھر بےگانے ہیں

☆

دولت کی فراوانی
چھین گئی ان سے
جذبے اور حیرانی

☆

پر قوم یہ اچھی ہے
دُھن کی بھی پکی
اور قول کی سچی ہے

☆

☆

اِس ملک میں گر آتے
یار مجید امجد!
تم پاگل ہو جاتے

☆

رنگوں کی ہیں برساتیں
ڈھونڈنے نکلو تو
ہیں سینکڑوں شالاطیں☆

☆شالاط ایک جرمن لڑکی تھی جس کی مجید امجد کی زندگی میں ایک خاص اہمیت ہے۔

☆

جلووں کی فراوانی
خاک مگر ہو گی
اس عمر میں نادانی

☆☆☆

خانۂ خدا

☆

عاشق، محبوب ہوا

کھیل انوکھا تھا

جاذب، مجذدب ہوا

☆

کس نُور کا درشن تھا

سامنا ہوتے ہی

روشن مرا تن من تھا

☆

☆

کثرت کی زبانی ہیں

کعبہ کی دیواریں

وحدت کی نشانی ہیں

☆

پوچھو نہ مزہ ہم سے

پیاس بجھائی تھی

جب بئرِ زم زم☆ سے

☆عربی میں کنویں کو بئر کہتے ہیں۔یعنی زم زم کا کنواں

☆

لطف آ گیا جینے میں

نوُر مناظر کا

جب بھر گیا سینے میں

☆

☆

قربت میں کمال ہوا

ناز قبول اور عجز

بلند اقبال ہوا

☆

جو یار سے دُور ہوا

عجز، ریا اس کا

اور ناز، غرور ہوا

☆☆☆

نمازِ عشق

☆

اک ''فجر'' آغاز ہوئی

درد میں ڈوبے ہوئے

اس دِل کی نماز ہوئی

☆

پھر بعد زوال ہمیں

''ظہر'' نے بخشی ہے

اُمیدِ کمال ہمیں

☆

☆

جب ''عصر'' اشارہ ہوا

سُود میں ڈھلنے لگا

جتنا بھی خسارہ ہوا

☆

یوں روشن جان ہوئی

دل میں کہیں جیسے

''مغرب'' کی اذان ہوئی

☆

جب وقتِ ''عشاء'' آیا

یاد تری آئی

اور وقت دعا آیا

☆

☆

مومن تھا دلِ بد میں

جس نے جگا ڈالا

پھر وقتِ ''تہجد''☆ میں

☆☆☆

☆ یہاں ''تہجد'' کو پنجابی معمول کے مطابق باندھا گیا ہے۔

تسلسل

☆

رُومی، شامی، جگنو
میری بیٹی کی
لے آتے ہیں خوشبو

☆

گانی والے توتے
شہری اور سونو
دونوں میرے پوتے

☆

شہزادے کی صورت ہے
پوتا شان، اپنے
پردادے کی مورت ہے

☆

☆

پوتوں کے آنے سے
ملتا ہوں اپنے
دادا کے زمانے سے

☆

ماہا مِری پوتی ہے
روتے ہوئے ہنستی
ہنستے ہوئے روتی ہے

☆

اک پوتی اور آئی
بی بی علیشا، جو
سونو کی ہے ماں جائی

☆

☆

جب پوتی ہوئی ماآہمؔ

باہم رشتے بھی

کچھ اور ہوئے باہم

☆

رحمت ہے سوا اُس کی

اب چوتھا پوتا

شیرازؔ، عطا اُس کی

☆

نواسی :عنائیہ

ہنستی ہے، ہنساتی ہے

لوری سُنتی ہے

پھر مجھ کو سناتی ہے

☆

پوتی: ثانیہ

آفت کی پُڑیا ہے

ویسے سچ مچ میں

پیاری سی گڑیا ہے

☆

نواسا :ساحل

ہر دَم خوش رہتا ہے

ساحلؔ خوابوں میں

بھی کھیلتا رہتا ہے

☆

ہنسنے ہیں کہ رونے ہیں

بچوں کے بچے

سب میرے کھلونے ہیں

☆

☆

سب ہی مجھے پیارے ہیں
پوتے ،نواسے سب
دل کے سی پارے ہیں

☆

جیون کا تسلسل ہے
دہراتا خود کو
یوں وقت مسلسل ہے

☆☆☆

نوٹ

’’عمرِ لاحاصل کا حاصل‘‘ کے ۲۰۰۵ء کے ایڈیشن میں ’’دردسمندر‘‘ کے تحت ’’تسلسل‘‘ کے زیر عنوان آٹھ ماہیے شامل تھے۔جبکہ ۲۰۰۹ء کے ایڈیشن میں دس ماہیے شامل تھے۔جبکہ اب ۲۰۱۴ء کے اس انٹرنیٹ ایڈیشن میں چودہ ماہیے شامل ہیں۔چونکہ یہ ماہیے اپنے بچوں کے بچوں کے بارے میں ہیں،اس لیے اِس وقت تک بچوں کی تعداد میں اضافہ کے مطابق ہرایک کے بارے میں ماہیا کہہ کر ’’تسلسل‘‘ کے زیرعنوان ماہیوں میں بھی اضافہ کردیا ہے۔**فالحمدللہ**

(حیدر قریشی)

دوہانما

او اَن دیکھے تیرے تو ہیں اربوں کھربوں رُوپ
تیرے پانے کو بدلوں آخر کتنے بہروپ

کونسا اپنا دین دھرم تھا، کونسا اپنا دیس
اصلی صورت بھول گئی تھی بدلے اتنے بھیس

پھر بس میں کچھ بھی نہیں رہتا،کچھ بھی سُوجھ نہ پائے
بیچ ندی میں گٹھڑی بھُس کی جب حیدر کھُل جائے

کم از کم یہ بات تو کہنے میں ہم بھی سچے ہیں
تم بھی سچے، وہ بھی سچے، بس ہم ہی جھوٹے ہیں

ساحل پر کشتی کو جلا کے پہلے تو اِترائے
پھر جب لَوٹ کے آنا ٹھہرا، تیَر کے واپس آئے

حیدؔر بھید جہاں کے جیسے خواب کے اندر خواب
ایک نقاب اگر اُلٹیں تو آگے اور نقاب

☆☆☆

تاثرات

☆☆ حیدرقریشی کی شاعری درحقیقت ان کی زندگی کا ایسا آئینہ ہے جس میں ان کی زندگی کے تقریباً سبھی اُتار چڑھاؤ اور دُکھ درد دیکھے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر شفیق احمد(بھاول پور)

....

☆☆غزل میں اس کا کام لب سوز۔لب دوز کی حدود تک پہنچا ہوا ہے۔اس کے اوپر جا کر ذھن کے پھیلاؤ کا کام بھی کرتا ہے۔میرا خیال ہے اگر وہ اپنی غزل کا انتخاب چھپوادے تو بڑے بڑوں کے چراغ بجھ جائیں۔میں نے ہمیشہ اُسے غزل پر زیادہ توجہ دینے کو کہا ہے کہ مَیں اسکی غزلوں کے پس منظروں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔مَیں نے اس کی لگتی بھی دیکھی ہے اور ٹوٹتی بھی۔پھر ٹوٹنے میں ''تڑک'' کی آواز بھی سُنی ہے اسکی غزل ''میری لگدی کسے نہ دیکھی۔تے ٹٹدی نوں جگ جان دا۔'' کی آواز ہے۔اس کی غزل کی اس ''ٹوٹتی ہوئی'' کو بھی زمانہ سنے گا اور اس سننے میں وہ سب کچھ دیکھ بھی لے گا۔**اکبر حمیدی**(اسلام آباد)

....

☆☆مجھے پہلے کی طرح آپ کے کام کی صلاحیت کے معجزے پر حیرت بھی ہے اور صدرشک بھی۔سمجھ میں نہیں آتا ہے آپ 24 گھنٹوں کو 48 گھنٹوں یا اس سے بھی زیادہ کس طرح بنا لیتے ہیں؟۔اگلی ملاقات ہوگی (انشاءاللہ) تو آپ سے یہ منتر سیکھنے کی کوشش کروں گی۔

ڈاکٹر لڈمیلا وسیلئیوا(ماسکو)

....

☆☆ میں انہیں (حیدرقریشی کو) مغربی دنیا میں اردو کا سب سے بڑا ادیب مانتا ہوں اور ان کی صلاحیتوں کے سامنے اپنی ہیچ مدانی کا اعتراف کرتا ہوں۔حیدر، ون مین ادبی رائٹنگ کی انڈسٹری ہیں۔۔۔۔۔میرے برخوردار ہیں۔مجھ سے عمر میں دس برس کم لیکن کام وصلاحیت میں سو سال بڑے۔**ڈاکٹر ظہور احمد اعوان**(پشاور)

....

☆☆ تخلیقی ادب میں کسی نئی یا غیر معروف صنف کو رائج کرا دینا اپنے آپ میں اتنی بڑی بات ہے کہ اسے تاریخ ہمیشہ ایک ادبی واقعے کے طور پر یاد رکھتی ہے۔ 'آزاد غزل' کو متعارف کرانے کے لئے جتنا مظہر امام کو یاد رکھا جائے گا، شائد اس سے کہیں زیادہ 'ماہیے' کو پھر سے رواج اور قبولیت دلانے کے لئے حیدر قریشی کی یاد آئے گی۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ پچھلے کئی عشروں سے جرمنی میں خاموشی، مگر نہایت سرگرمی سے ادب کی تخلیق و ترویج میں مصروف یہ فنکار صرف ماہیے ہی نہیں لکھ رہا ہے بلکہ اس نے غزل، نظم، افسانے، انشائیے، خاکے اور سفرنامے لکھنے اور تنقید و تحقیق کے شعبے میں بھی اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے۔ ایسے قلم کار کی ادبی قدر و قیمت اور تخلیقی جہات کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے اور قریب سے دیکھا اور دکھایا جائے۔

نصرت ظہیر (دہلی)

....

☆☆ عمرِ لاحاصل کا حاصل اور جدید ادب نے اُس رات بھی اور آج رات بھی صبح تک مجھے جگائے رکھا۔ ہمارے درمیان بہت کم ایسی ادبی شخصیات ہیں جنھوں نے ادب کے اتنے سارے منطقوں میں نہ صرف قدم رکھا بلکہ خوب خوب سیر کی اور اپنے تجربوں اور مشاہدات کو اپنے تخلیقی سفر کا حصہ بنایا۔ میں آپ کی ان کاوشوں کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ یوں ہی ایک اور خیال آیا ہے کہ ''خان پور سے جرمنی تک'' کا احاطہ کیجیے۔ آپ جس ڈھنگ سے کردار بناتے ہیں اور اُن کرداروں کو ایک خاص ڈھب سے کہانیوں کے نشیب و فراز سے گزارتے ہیں بہت Realistic ہیں۔ ''خان پور سے جرمنی تک'' کی ان کئی دہائیوں میں ایسے بے شمار کردار ہوں گے اور ایسے دلچسپ اور صبر آزما واقعات ہوں گے جو آپ کی تخلیقی اپج کے محتاج ہوں گے۔

ایوب خاور (لاہور)

....

☆☆ حیدر قریشی ایک کثیر المطالعہ، وسیع النظر، کشادہ ذہن، پختہ فکر اور تازہ کار تخئیل کے حامل ایک با شعور تخلیق کار ہیں۔ اپنے گرد و پیش، قریب و بعید، زندگی کے داخلی اور خارجی عوامل، گونا گوں

تجربات، روز مرہ درپیش واقعات، خوشگوار و ناخوشگوار حادثات و سانحات، مختصر یہ کہ حیات و ممات سے متعلق لوازمات جن سے وہ گزرتے رہے ہیں، جنہیں وہ جھیلتے رہے ہیں، کم و بیش ان تمام کیفیات کو ان سے پیدا شدہ نتائج کے ساتھ اشعار میں سمو لیا ہے۔ ان کی غزل رنگینیٔ تخیّل کا محض نگارخانہ نہیں، جیتی جاگتی زندگی کے رنگارنگ حقائق کا منظر نامہ پیش کرتی ہے۔

انہوں نے اپنے غزلیہ اشعار کے وسیلے سے نامعلوم خلاؤں میں محض الفاظ و خیالات کے طوطا مینا اڑانے کے بجائے زندگی کی رگوں میں دوڑنے پھرنے والے، زندگی کی اوبڑ کھابڑ سطح پر رواں دواں تلخ و ترش اور کھٹے میٹھے حقائق کی اثر انگیز ترجمانی کی ہے۔ انہیں دنیا سے جو کچھ ملا ہے اسے لوٹانے کے بجائے اس کے ردوقبول کی مشترکہ کیفیت کو ایک دلکش طرز اظہار کے وسیلے سے دنیا کے روبرو پیش کر دیا ہے۔ وہی سب کچھ جسے شاعری کی اصطلاح میں سماجی بصیرت اور عصری حسیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حیدر قریشی کے دامن نگاہ میں کائنات کی اتنی وسعتیں سمٹ آتی ہیں جن کی سمائی کی تنگنائے دل میں گنجائش نہیں ہے۔ **ڈاکٹر محبوب راہی** (انڈیا)

....

☆☆ حیدر قریشی کی غزل میں تغزل کا رنگ و آہنگ اپنے تمام تر لوازمات کیساتھ نظر آتا ہے جو کہ ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔۔۔۔۔ حیدر قریشی کی غزل قدامت کے ساتھ ساتھ جدیدیت کا رنگ بھی رکھتی ہے۔ اس کی غزل میں علم بیان کے ساتھ ساتھ علم بدیع کی خوبصورتی بھی ہے نیز وہ غزل کہتے کہتے اپنے قبیلہ شاعری کے علاوہ اپنے علاقے کو بھی نہیں بھولتا۔

منزہ یاسمین (بھاول پور)

....

☆☆ حیدر قریشی کی دنیا صرف عشق و محبت کے رنگین افسانوں سے مزّین نہیں بلکہ ان کی شاعری میں عصرِ حاضر کا وہ کرب بھی شامل ہے جس سے اس عہد کا ہر ذی شعور اور حساس انسان دوچار ہے۔ قصرِ سیاست کی عیاریوں کے ساتھ عام انسان کی بدلتی نفسیات، مادّیت پرستی کے بڑھتے رجحان پر ان کا قلم لکھتا ہے اور خوب لکھتا ہے۔ خیالات کا بہاؤ انہیں نیرنگیٔ دوراں کے نئے جہانوں کی سیر کراتا ہے۔ **ڈاکٹر نجمہ رحمانی** (دہلی)

....